''آؤ اصحابِ طبل وعلم کے دروں پر کتاب اور قلم کا تقاضہ کریں''

ہمیں یقین ہے اس تحریر کو پڑھنے والے اکثر اصحاب کا تعلق پاکستان سے ہوگا۔ سابقہ متحدہ پاکستان کے قیام کو اب چھیاسٹھ سال سے زیادہ ہو چکے ہیں، اور موجودہ پاکستان بھی تینتالیسویں سال میں ہے۔ دنیا بھر میں تعلیم ایک بنیادی انسان حق ہے، اگر ہم آپ سے سوال کریں کہ یہ بتائیے کہ پاکستان میں تعلیم لازمی کب قرار دی گئی تو شاید آپ ہماری صورت تکنے لگیں یا ہمیں احمق سمجھیں، کیونکہ آپ یہی سمجھتے ہوں گے کہ تعلیم جو ہر انسان کا بنیادی حق ہے ظاہر ہے کہ سابقہ پاکستان کے قیام کے ساتھ ہی لازمی قرار دی گئی ہوگی اور چونکہ ساری دنیا میں تعلیم کی فراہمی سرکار کی ذمہ داری ہوتی ہے سو یہاں بھی روزِ اول سے یہی ہوتا رہا گا۔ اور موجودہ پاکستان میں بھی تعلیم کا حق اور لازمی ہونا ہمیں میراث میں ملا ہوگا۔ یہ سمجھتے ہوئے آپ ہمارے سوال کو فضول اور اس سوال کو اٹھانے پر ہماری عقل کو تاہ گردانیں گے۔

تلخ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان میں تعلیم کو ایک بنیادی حق اور اس کی فراہمی کو لازمی صرف حال ہی میں سنہ ۲۰۱۰ء میں ایک آئینی ترمین کے ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ یعنی پاکستان کے قیام کے تقریباً تریسٹھ سال کے بعد۔

پاکستان میں تعلیم کو ایک طے شدہ بنیادی حق اور اس کے لازمی ہونے کا خیال ہمیں یوں آیا کہ ہمارے ایک کالم پر جس کا عنوان ''شاعروں کا جمعہ بازار'' تھا ہمیں کئی آراملیں جن میں مختلف طرح کے تبصرے تھے۔ لیکن اس پر ایک ممتاز اور جید صحافی ''انورسن رائے'' نے کچھ چبھتے ہوئے سوال اٹھائے تھے، اور کہا تھا کہ ہمارا کالم صرف اردو زبان، شعر، اور ادب کی روایت کے زوال کا ذکر تو کرتا ہے لیکن اس حالتِ زار کی بنیادی وجوہات پر توجہ نہیں دلاتا۔ انہیں نے پوچھا تھا کہ ہمارے ہاں ادیب خستہ حال کیوں ہے، ادیبوں کا پیشہ جز وقتی کیوں ہے، ادیب اپنی کتابیں خود چھپوانے پر مجبور کیوں ہیں۔ کتاب کے ناشر اور خالق کا کیا رشتہ ہے، وغیرہ وغیرہ۔ وہ ایک جید صحافی اور دانشور ہیں، اور ان کا کہنا تھا کہ 'پنبہ کجا کجا نہم، تن ہمہ داغ داغ شد'، یعنی ہماری قوم کا تو کُل بدن ہی زخموں سے نڈھال ہے۔ لیکن سوال یہ بھی ہے کہ یہ زخم ہمیں کس نے دیئے ہیں؟ ہمارے عزیز اور رائٹرز فورم کے صدر عابد جعفری کا ایک مصرعہ ہے کہ ''وہ زخم لگے ہیں کہ جو خنجر کے نہیں تھے''۔

انور سن رائے کے سوالات ایک مفصل مضمون کے متقاضی ہیں، اور ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ ہم جلد یا بدیر ان کا تفصیلی جواب دینے کی اپنی سی کوشش کریں گے۔ لیکن یہ خیال ضرور آیا تھا کہ زبان، شعر و ادب، اور ثقافت کی روایت قائم ہونے کے لیئے ہر قوم کو ''تعلیم یافتہ ذہنوں'' کی ضرورت ہوتی ہے، اسی سبب سے قومیں تعلیم کو بنیادی حق قرار دیتی ہیں، اور اس شہریوں کو لازمی طور پر عموماً کم از کم سولہ سال کی عمر تک مفت تعلیم بھی فراہم کرتی ہیں۔

یہی وجہ تھی کہ ہم نے اس ضمن میں پاکستان کے آیئن کو دیکھنے کی کوشش کی تو نظر آیا کہ وہاں سنہ تہتر کے آیئن کی سنہ دو ہزار دس میں کی گئی ترمیمات کے ذریعہ ایک فروعی شق پچیس، الف کا اضافہ کیا گیا، یہ شق الگ سے بھی شامل کی جاسکتی تھی، لیکن شاید ترمیمات کرنے والوں کو چلتے چلتے خیال آیا کہ ''ارے تعلیم کا ذکر تو ہمارے آیئن میں کہیں ہے ہی نہیں''، تو شاید چلتے چلتے اس جلد بازی میں جہاں زیادہ مناسب لگا وہاں جوڑ دیا۔ اول اول تو ہمیں یقین ہی نہیں آیا کہ سنہ تہتر کے آیئن میں تعلیم کا بنیادی حق اور ہونا موجود نہیں ہوگا۔ لیکن جب مزید کھوجا اور سنہ تہتر کے آیئن کو ڈھونڈا جواب آسانی سے نہیں ملتا تو یہی دیکھا کہ اس کی کسی بھی شق میں تعلیم کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ چونکہ یہ بات سچ تھی اور رسوائی کی تھی اس لیئے اس کے ازالہ کے لیئے تعلیم کو موجودہ آیئن کی ایک ضمنی شق بنا دیا گیا۔

سنہ تہتر کا آیئن بہت جوش و خروش سے بنایا گیا تھا، اس پر موجودہ پاکستان کے سارے سیاست دان تقریباً متفق تھے۔ اگر انہوں نے تعلیم کو بنیادی حق نہیں جانا تھا اور اسے لازمی نہیں گردانا تھا تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ''خلق کو کیوں بے ہنر رکھا گیا''؟ یہ تلخ حقیقت ہماری تمام بیماریوں کی وجہ اور ہمارے بدن پر لگے سارے زخموں میں سب سے کاری زخم ہے جس نے ہماری قوم کو بسترِ مرگ سے لگا دیا ہے۔

ہمارے عوام اور ہمارے طالبِ علم تو ساری دنیا کے شہریوں کی طرح علم کے حصول کے متقاضی ہیں، لیکن ان کے ساتھ جو ہوتا رہا ہے، اس کا ذکر بہت ہی دردمند انداز میں فیض صاحب نے اپنی نظم ''انتساب'' میں اس طرح کر دیا تھا:

''پڑھنے والوں کے نام
وہ جو اصحابِ طبل وعلم کے
دروں پر کتاب اور قلم

کا تقاضا لیے، ہاتھ پھیلائے
پہنچے، مگر لَوٹ کر گھر نہ آئے
وہ معصوم جو بھولپن میں
وہاں اپنے ننھے چراغوں میں لو کی لگن
لے کے پہنچے
جہاں بٹ رہے تھے گھٹا ٹوپ،
بے انت راتوں کے سائے''

پاکستان کے اربابِ حل وعقد کی علم کے بنیادی حق سے بے اعتنائی، اور پاکستان کے وسائل پر ''اصحابِ طبل وعلَم'' کے غاصبانہ قبضہ کا نتیجہ ہے کہ پاکستان دنیا بھر میں تعلیم اور علم کے اشاریوں میں اقوامِ عالم کے نچلے ترین درجوں پر پڑا ہوا ہے۔ اقوام متحدہ کے تعلیم سے متعلق ادارے ''یونیسکو' UNESCO نے اپنی ایک رپورٹ میں لکھا ہے کہ ''پاکستان اپنے ملک میں تعلیم پر خرچ قومی آمدنی کے دو اعشاریہ چار فی صد سے بھی کم کرتا جا رہا ہے'' اس رپورٹ میں یہ تلخ سوال بھی کیا ہے کہ ''جب اقوامِ عالم اپنے اپنے ممالک کے بچوں میں تعلیم کے اضافہ کے لیئے منظّم طور پر کوشاں ہیں تو ایسا کیوں ہے کہ پاکستان جیسے ممالک اس ضمن میں ناکام رہتے جا رہے ہیں؟''

East Asia Forum نے اپنی ایک رپورٹ میں لکھا ہے کہ ''پاکستان میں تعلیم کے فقدان کی وجہ اس کا بنیادی ترجیحات میں شامل نہ ہونا تو ہے ہی، لیکن وہاں امیر اور غریب کا فرق اتنا شدید ہے کہ وہاں صرف مٹھی بھر شہری تعلیم حاصل کر سکتے ہیں، جن میں عموماً شہری علاقوں کے لوگ، جاگیرداروں کی اولادیں، اور فوجیوں کے بچے، جدید تعلیم کا استحقاق رکھتے ہیں۔ باقی سارے شہری جدید تعلیم سے بری طرح محروم ہیں''۔

اقوامِ متحدہ کے بچوں سے متعلق ادارے UNICEF نے اپنی ایک حالیہ رپورٹ میں لکھا ہے کہ پاکستان ان ملکوں میں جن کے بچے اسکول نہیں جاتے دنیا بھر میں دوسرے نمبر پر ہے۔ وہاں تقریباً دو کروڑ بچے اسکول نہیں جاتے اور ان میں سے تقریباً اسی لاکھ بچے پرائمری تعلیم سے بھی محروم ہیں۔

ظاہر ہے کہ جس ملک میں تعلیم کو اس کے قیام کے بعد سے کم از کم ساٹھ سال تک بنیادی حق نہ جانا گیا ہو، اور جہاں اب بھی یہ حق میں آئین میں ضمنی طور پر شامل کیا گیا ہو، وہاں ایسا ہی ہوگا اور وہاں علم، ادب، اور ثقافت کی روایتوں کے بارے میں سوالات اٹھانا مضحکہ خیز اور فروعی ہی سمجھا جائے گا۔

یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہماری رسوائی کی خبر ساری دنیا کو ہے، اور دردمند لوگ اس بارے میں دنیا بھر میں سوال اٹھاتے ہیں، تو ایسا کیوں ہے کہ پاکستان کے جید صحافی، دانشور، پروفیسر، طالبِ علم، اہلِ ادب، لکھنے والے، پڑھنے والے، اور ان کی رہنمائی میں عام شہری اس بات پر غور کیوں نہیں کرتے۔ ہمارے بڑے اردو اخبارات کے صحافی اس بات پر روزانہ ہی کیوں احتجاج نہیں کرتے، ہمارے ''آزاد ٹیلی ویژن'' پر بلند آواز دانشور اور مبصر کیوں اس مسئلہ پر روز گفتگو نہیں کرتے۔ ہمارے اہلِ فکر اگر منصف ہیں تو پھر حشر اُٹھا کیوں نہیں دیتے؟

شاید اس کا جواب یہ ہو کہ ''اصحابِ طبل وعلَم'' ان میں سے کسی کی ایسی ہلکی سی بھی بات سن کر کہتے ہوں کہ ''یہ کون بدتمیز ہیں، زبان ان کی کھینچ لو''۔ اور پھر ایسے زبان درازوں کی زبان قینچ بھی کی جاتی ہو۔ شاید یہی وجہ ہو کہ ہمارے ملک کے اہم ترین مسئلہ پر سب اہلِ زبان کی زبانیں گُنگ ہیں، سب حصارِ خوف میں بیٹھے ہیں، اور ہم اس قعرِ مذلت میں پڑے ہیں۔ شاید وہ جانتے ہیں کہ ''حصارِ ظلم میں اگر نوا کوئی اُٹھی، صلیب و دار پر بدن نئے سجا دیئے گئے''۔ کوئی ہے جو ہمارے ساتھ یہ آواز لگائے: ''آؤ اصحابِ طبل وعلَم کے دروں پر کتاب و قلَم کا تقاضا کریں''۔